اکتوبر کی ایک شام اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ ڈاکٹر لیلیٰ کا فون آیا۔ حکم ہوا کہ علامہ اقبال کی ابتدائی زندگی پر بات کی جائے۔ میں اچنبھے میں پڑ گیا کہ کہاں میں کہاں علامہ اقبال کی زندگی۔ ایک نیم فروزاں شمع، علم و حکمت کے درخشاں آفتاب پر کیسے روشنی ڈالے۔ مجھ جیسا ~~مثل~~ ناخواندہ انسان اگر حیاتِ اقبال پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرے گا تو اپنی جہالت کی تیرگی میں خود ہی ڈوب جائے گا۔ تاہم راقم الحروف کی یہ ادنیٰ سی کوشش ہے۔ خدا کرے کہ میری اپنی سمجھ میں بھی آ جائے اور آپ کی بھی۔

~~جیسا~~ اقبال جیسے قدآور لوگ صدیوں میں ایک مرتبہ پیدا ہوتے ہیں۔ اتنا وژن، اتنی بصیرت اور اتنی نگاہ ایسے ہی نہیں ملتی یہ خالصتاً خدائے بزرگ و برتر کی عطا، والدین کی دعاؤں، اساتذہ کی محنت اور صاحبانِ نظر کی پاک نگاہ کا اثر ہوتا ہے جو محمد اقبال کو علامہ محمد اقبال بناتا ہے۔

جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ علم و حکمت کا یہ درخشندہ ستارہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو اس دنیا میں روشنیوں کو تقسیم کرنے کے لیے اس وقت کے متحدہ ہندوستان اور آج کے پاکستان کے افق پر طلوع ہوا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ ننھا منا ستارہ ایک دن دنیا بھر میں ~~ایک~~ سورج بن کر چھا جائے گا۔ یہ علامہ اقبال اور قائد اعظم جیسے زعماء کا ہی احسان ہے کہ ہم آج ایک ~~آزاد ملک میں سانس~~ آئرلینڈ میں ایک آزاد ملک کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ~~میں [illegible] گزشتہ ماہ میں برمنگھم میں ایک کانفرنس میں شمولیت کر رہا تھا~~

صوبہ پنجاب کے انتہائی شمال میں سیالکوٹ نامی شہر کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس کی کوکھ سے مشرق کا سب سے بڑا شاعر اور سب سے بڑا مفکر جنم لے سکے۔ سیالکوٹ جغرافیائی طور پر وادیٔ کشمیر جنت نظیر سے بہت نزدیک ہے۔ ~~[illegible]~~ بہت سے کشمیری خاندان کشمیر چھوڑ کر سیالکوٹ میں آ کر آباد ہوئے۔ انہی میں سے ایک خاندان شیخ نور محمد کا خاندان بھی تھا جنہیں علامہ اقبال کا والد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شیخ نور محمد بڑے نیک اور اللہ والے بزرگ تھے۔ سیالکوٹ میں ان کا چھوٹا سا کاروبار تھا۔ ~~ء~~ شیخ نور محمد کو بزرگوں کے پاس بیٹھنے اور دین کی باتیں سننے سے بڑا شغف تھا۔ کاروبارِ دنیا سے انہیں جو بھی وقت ملتا وہ نیک لوگوں کی صحبت میں گزار دیتے۔ شیخ نور محمد کے دو صاحبزادے تھے۔

بڑے بیٹے کا نام عطا محمد اور چھوٹے بیٹے کا نام محمد اقبال تھا۔ جب علامہ محمد اقبال نے ہوش سنبھالا تو ہندوؤں میں انگریزی نظام تعلیم اپنے عروج پر تھا۔ ہندوؤں میں سے بہت سے لوگ اسی نظام تعلیم کا حصہ بن کر چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔ تاہم مسلمانوں میں سے بہت سے احباب انگریزی پڑھنے لکھنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ شیخ نور محمد اگرچہ پرانی طرز کے آدمی تھے لیکن انگریزی تعلیم کے مخالف نہ تھے۔ چنانچہ ان کے بڑے بیٹے شیخ عطا محمد جو علامہ اقبال سے تیرہ چودہ سال بڑے تھے، پڑھ لکھ کر انجینیئر بنے جبکہ علامہ صاحب مشن سکول میں تعلیم پا کر کالج میں داخل ہو گئے۔

شیخ نور محمد کے دوستوں میں سیالکوٹ کے مشہور عالم مولوی میر حسن بھی تھے۔ مولوی صاحب مشن اسکول ہی میں عربی کی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ مولوی صاحب ایک مردم شناس آدمی اور شاگرد کی خوبیوں کو پہچاننے والے استاد تھے۔ انہوں نے شروع ہی میں محمد اقبال کی ذہانت اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اپنے اس ~~ہونہار~~ سعادت مند شاگرد کو نہایت محنت اور توجہ سے پڑھاتے رہے۔

اقبال پر بزرگوں کے طور طریقوں کا بہت گہرا اثر تھا۔ وہ کھیلنے کودنے کی بجائے غور و فکر کو ترجیح دیتے تھے۔ یا وہ کتابیں پڑھتے یا بیٹھے کچھ سوچتے رہتے۔ کبھی کبھی وہ کسی گہری سوچ میں اس طرح کھو جاتے کہ انہیں کسی بات کا ہوش نہ رہتا۔

اقبال کو نومی سے ہی شاعری کے مطالعے کا شوق تھا۔ ان کے والد مثنوی مولانا روم کے عاشق تھے۔ اسی مناسبت سے اقبال نے صغر سنی ہی میں مثنوی کا مطالعہ کیا اور علاوہ ازیں وہ اپنے والد سے بھی بسا اوقات مثنوی کے شعر سنتے رہتے۔ اقبال ابھی سکول ہی میں تھے کہ وہ شعر کہنے لگے۔ کچھ وقت کے ساتھ اس وقت کے مشہور شاعر مرزا داغ کو اپنا استاد کر لیا۔ انہوں نے ڈاک کے ذریعے مرزا صاحب کو اپنا کلام لکھ کر بھیجا۔ جواب میں مرزا صاحب نے کلام کو تصحیح کر کے واپس بھیجا اور انتہائی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مولوی میر حسن نے بھی اپنے شاگرد کے شاعرانہ ذوق کی حوصلہ افزائی کی جس سے علامہ صاحب کی ہمت اور بلندی۔

مضمون کی یہ سطریں لکھ ہی رہا تھا کہ بال پوائنٹ میں روشنائی ختم ہوگئی اور طبیعت بھی بگڑ گئی۔ طبیعت سنبھلنے کے بعد باقی ماندہ مضمون مسجد میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ اقبال نے بھی تو وطن عزیز کی بنیادیں ایک مسجد کی بنیادوں کی طرح ڈالیں۔ ~~بقول اقبال~~: علامہ صاحب نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ کو خطبہ الہ آباد کے دوران فرمایا:

"اسلام فرد کی زندگی کو دین اور دنیا کے الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹتا۔ وہ مادے اور روح کی کسی ناقابل اتحاد ثنویت کا قائل نہیں ہے۔ اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور ریاست ایک ہی کل کے جزو ہیں۔ میری خواہش ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔"

وہ کیا چیز تھی جس نے اقبال کو اقبال بنایا ؟
وہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی۔
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

میرے نزدیک یہ فیضان نظر بھی تھا اور مکتب کی کرامت بھی تھی جس نے اقبال کو اقبال اور شاعر مشرق بنایا۔ اقبال نے شاعر مشرق بننے کے بعد بھی اس فیضانِ نظر کو فراموش نہیں کیا بلکہ جب انگریز سرکار نے آپ کو سر کا خطاب دینا چاہا تو آپ نے یہ شرط عائد کردی کہ پہلے میرے استادِ محترم کو یہ خطاب دیا جائے پھر میں قبول کروں گا چنانچہ پہلے مولوی میر حسن رحمۃ اللہ علیہ کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا اور پھر اقبال نے سر کا خطاب وصول کیا۔

دوران طالب علمی اقبال نے صرف شاعری پر ہی وقت صرف نہیں کیا بلکہ اپنی تعلیمی ضروریات سے مکمل طور پر آگاہ رہے۔ اقبال کا شمار اپنی جماعت کے لائق اور ہونہار تلامذہ میں ہوتا تھا چنانچہ آپ پرائمری اور مڈل کے امتحانوں میں وظیفہ حاصل کرکے انٹرنس میں پہنچے اور پھر اس میں بھی وظیفہ پایا۔ انہیں دنوں ان کا اسکول ترقی کرکے کالج بنا اور مولوی میر حسن اس کالج میں عربی اور فارسی پڑھانے پر مقرر ہوئے۔ اقبال کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہم جماعتوں کی نسبت اقبال کو جو سبق پڑھایا جاتا وہ اس کی تہہ میں پہنچ جاتے۔ دوسروں کی سمجھ میں بعض اوقات کچھ نہ آتا اور وہ منہ تکتے رہ جاتے۔

سیالکوٹ کا مشن کالج ان دنوں ایف اے تک تھا۔ ایف اے کے بعد علامہ صاحب بی اے کے لیے لاہور پہنچے۔ لاہور میں تعلیم کا نظام بہت اچھا تھا لیکن مولوی میر حسن جیسا مہربان استاد کہاں سے ملے گا۔ تاہم گورنمنٹ کالج لاہور میں انہیں آرنلڈ جیسا قابل استاد ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا کسی مسلمان کا

خواب ہی ہو سکتا تھا۔ اتنے سخت کمپیٹیشن میں اقبال نے گورنمنٹ کالج میں داخلے کے لیے کوالی فائی کیا۔ آرنلڈ صاحب اقبال سے بڑی محنت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ اقبال کی عمر لا ھور آ کر علامہ نے مشاعروں میں شرکت شروع کر دی۔ ایک مشاعرے میں یہ شعر پڑھا کہ ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے۔!!!

تو ایک سینئر شاعر تڑپ اٹھے اور کہنے لگے میاں صاحبزادے سبحان اللہ۔ اس عمر میں یہ شعر۔

اقبال بی اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے تو وظیفہ لیا اور ساتھ ہی عربی اور انگریزی میں اوّل آنے پر انہیں دو طلائی تمغوں یعنی گولڈ میڈلز سے بھی نوازا گیا۔ بی اے کے بعد انہوں نے یعنی گورنمنٹ کالج لاہور ہی سے ایم اے بھی کیا اور ایک اور گولڈ میڈل بھی حاصل کیا۔ اس کے بعد اورینٹل کالج میں فلسفہ پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ اب علامہ کی شاعری کا رنگ بدلا اور آپ نے قومی شاعری شروع کر دی اور انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں اپنی نظمیں سنانا شروع کر دیں۔ علامہ اقبال اپنی شاعری میں ایسا آگے نکلے کہ بڑے بڑے شاعروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔

کچھ ہی عرصے میں اقبال کے استاد آرنلڈ اپنی مدتِ ملازمت پوری کر کے انگلینڈ چلے گئے۔ اسی دوران اقبال کو بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ جانے کا خیال آیا اور 1905 میں وہ بھی یورپ روانہ ہو گئے۔ اقبال انگلینڈ پہنچنے کے بعد یونیورسٹی آف کیمبرج میں داخل ہو گئے اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ انگلینڈ میں ہی ان کی ملاقات وہاں کے بڑے بڑے سکالرز سے ہوئی جن میں پروفیسر میک ٹیگرٹ اور پروفیسر براؤن شامل تھے جو خود بھی فارسی کے عالم تھے۔ ان کے زیرِ اثر علامہ اقبال نے فلسفہ کے ساتھ ساتھ فارسی پر بھی توجہ دی۔ کیمبرج سے فلسفہ کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے ایران کے فلسفہ کے متعلق ایک کتاب لکھ کر جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی جس کے لیے انہیں کچھ عرصے کے لیے جرمنی جانا پڑا۔ جرمنی سے واپس آ کر اور تعلیم کی سب سے اعلیٰ ڈگری حاصل کر کے بھی انہوں نے یہ سلسلہ منقطع نہیں کر دیا بلکہ لندن سے انگلستان واپس آ کر لندن میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ ان کے استاد آرنلڈ صاحب اس وقت لندن میں عربی کے پروفیسر تھے۔ وہ چھٹی پر گئے تو علامہ صاحب چھ ماہ تک ان کی جگہ عربی پڑھاتے رہے۔

یہ وہی دور تھا جب شاعری کے حوالے سے ان کے طرز بیان میں مزید تبدیلی آنا شروع کی۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ اگر آپ علامہ صاحب کی پہلی کتاب بانگ درا پڑھیں تو آپ کو سراسر نیچر کی شاعری ملے گی جو ورڈزورتھ کی شاعری سے بہت مشابہت اور مماثلت رکھتی ہے۔ تاہم بعد میں آنے والی کتب میں علامہ صاحب کی شاعری تخیل کی جس پرواز پر جاتی ہے اور جیسے وہ دین وملت، خودی، شاہین، پرواز، آدم اور فرشتوں کے موضوعات پر شاعری کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے جیسے اللہ نے ان کا سینہ قومی شاعری کے لیے کھول دیا اور موضوعات ان کو القا ہوتے تھے۔ علامہ صاحب ان موضوعات کو انتہائی مہارت اور انتہائی نفاست کے ساتھ شاعری کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔ ان کا کلام اتنا گہرا اور اپنے اندر اتنے پیغام لیے ہوتے ہے کہ ایک ایک شعر کی تشریح میں نقادوں نے کتابوں کی کتابیں لکھ ڈالیں لیکن علامہ صاحب کی شاعری کی شرح کا حق ادا نہ ہو سکا۔

یورپ میں آنے سے پہلے علامہ ایک قومی سوچ رکھتے تھے لیکن یورپ آکر انہیں احساس ہوا کہ قومیں رنگ و نسب اور زبان وبیان سے نہیں بنتیں بلکہ نظریے سے بنتی ہیں۔ شاید یورپ کی چمک دمک، نفسانفسی اور یہاں کی خودغرضی پر مبنی مشینی زندگی نے انہیں اس بات کا احساس دلایا۔ انہیں اس بات کا احساس شدت سے ہوا کہ یورپ نے مسلمانوں ہی سے حاصل کردہ علم کو بنیاد بنا کر مادی ترقی کی اور مسلمان اس میدان میں بعد ازاں کوسوں پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ علامہ لکھتے ہیں ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی ! ! !
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

یورپ کی چکا چوند اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی زندگی علامہ کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور وہ یہاں سخت سردی کے باوجود ایسے دور میں بھی صبح سویرے اٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہے جس زمانے میں معلوم نہیں کہ سنٹرل ہیٹنگ بھی ہوتی تھی یا انہیں اور شاید فائر پلیس میں لکڑیاں یا کوئلے جلا کر آگ سینکی جاتی تھی۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

یہ ان کا لندن کا

یہ ان کا یورپ کا دور ہی تھا جب علامہ صاحب نے فارسی میں بھی شعر کہنا شروع کر دیے چنانچہ اب ان کا فارسی کلام شاید ان کے اردو کلام سے بھی زیادہ ہے۔ اور ایران میں وہ اقبال لاہوری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

علامہ صاحب یورپ میں اتنا عرصہ رہنے کے باوجود یہاں کی مادی زندگی سے اور یہاں کی تہذیب اور معدوم ہوتے ہوئے خاندانی نظام سے متاثر نہ ہو سکے اور یورپ میں رہنے والوں کو یہ پیغام دیا

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

یہ ان کی یورپ کی زندگی ہی تھی جس نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ شمع لے کر نکلیں اور متحدہ ہندوستان میں اپنی سوئی ہوئی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کریں اور اس کی رہنمائی کریں - چنانچہ اسی نظم کے آخر میں وہ اپنے اس ارادے کا یوں اظہار کرتے ہیں -

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

اقبال جنوری ۱۹۰۸ میں ولایت چھوڑ کر ہندوستان واپس تشریف لے گئے اور بمبئی، دہلی، انبالہ میں ٹھہرتے ہوئے لاہور پہنچے جہاں ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ لاہور پہنچ کر انہوں نے ایک بار پھر گورنمنٹ کالج میں فلسفے کی تعلیم دینا شروع کر دی اور ساتھ ہی ساتھ وکالت کا بھی آغاز کر دیا۔

اس سے آگے کی زندگی میرا آج کا موضوع بحث نہیں لہذا آج اسی پر اکتفا کروں گا - اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ علامہ مرحوم کی روح پر آج کے دن اور سدا خوب رحمتیں برسائے اور انہیں جنت کے اعلیٰ مقامات میں جگہ عطا فرمائے۔ اس کے ساتھ ہی میں آپ سے اجازت چاہوں گا - اللہ نگہبان۔

اب کچھ باتیں علامہ صاحب کی ازدواجی زندگی سے متعلق۔ علامہ صاحب کی پہلی شادی ۱۸۹۲ میں کریم بی بی ~~صاحبہ~~ سے ہوئی جب علامہ صاحب کی اپنی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس کے بعد وہ یورپ تشریف لے گئے۔ کریم بی بی سے آپ کے ایک صاحبزادے آفتاب اقبال اور صاحبزادی معراج بی بی تھیں۔ اقبال جب یورپ سے لوٹے تو کریم بی بی سے زیادہ عرصہ نہ نبھ سکی اور یہ شادی علیحدگی پر منتج ہوئی تاہم طلاق نہیں ہوئی اور بیچ میں کچھ عرصے کے لیے کریم بی بی اپنے بچوں کے ساتھ واپس بھی آئیں۔ علامہ صاحب اپنی وفات تک کریم بی بی اور بچوں کو باقاعدہ خرچ دیتے رہے اور اپنی ذمہ داریوں سے کبھی چشم پوشی نہیں کی۔

علامہ صاحب کی دوسری شادی چراغ بی بی سے ہوئی جو بعض غلط فہمیوں کی بنیاد پر نکاح کے فوراً بعد ہی طلاق پر منتج ہوئی تاہم جیسے ہی وہ غلط فہمیاں دور ہوئیں علامہ صاحب نے فوراً رجوع کر لیا اور چراغ بی بی اپنی وفات تک آپ کے ساتھ رہیں۔ چراغ بی بی سے بھی آپ کی ایک بیٹی منیرہ تھیں جو میاں یوسف صلاح الدین کی نانی تھیں اور ایک صاحبزادے جاوید اقبال جو سپریم کورٹ کے سابق جج ہیں۔

اقبال کی تیسری شادی مختار بیگم سے ہوئی اور تاحیات قائم رہی۔ یہ شادی اس عرصے میں ہوئی جب اقبال چراغ بی بی کو عارضی طور پر طلاق دے چکے تھے۔